قانونِ اسلامی میں ثبوتِ جرم کی شرائط اور سزا میں نرمی سے ممانعت

Conditions of Proving a Crime under Islamic Law and the Prohibition of Leniency in Particular Crimes

*ڈاکٹر محمد ناصر

*ڈاکٹر محمد عزیز

Abstract

Human Life has been granted great sanctity in Islam. In order to protect human life against any form of aggression, two types of punishments have been prescribed by Islamic Law; "hadd", which is a fixed and unchangeable form of punishment prescribed in certain cases, and "ta'zeer" which is the variable and discretionary part of punishment prescribed for cases other than "hadd". A deep analysis of these two types of punishments reveal that Islam wants to protect the life, honor and property of every individual because any violation against these three will result in disturbing the peace of the society which will lead to chaos and loss of trust among the society members. Since a society is seldom free form crimes, Islam does not want the individuals to take action against any type of crime because this will lead to arbitrary application of law which is against the very raison d'étre of any legal system. In this article, we analyze the conditions of proving a crime under Islamic law and we also shed light on the Prohibition of leniency in applying particular types of punishments.

Key Words: Crime,Sanctity, Punishment 'Hadd', 'Tazeer, arbitrary

اسلام امن، رواداری، محبت خیر خواہی اور ہمدرردی کا مذہب ہے۔ یہ سختی، جبر واعتداء کا مخالف ہے۔اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ معاشرے کے امن وامان کو غارت کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور انسانیت اور سماج مخالف قوتوں کے خلاف کوئی کاروائی نہ ہو۔ پاکیزہ معاشرے کے لئے ایسے ناسوروں کو قرار واقعی سزانہ دینا معاشرے کو بے رحم ہاتھوں کے حوالے

*لیکچرر ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک تھیالوجی اسلامیہ کالج پشاور

*لیکچرر ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک تھیالوجی اسلامیہ کالج پشاور

کرنے کے مترادف ہے۔ جرائم کے سد باب کے لئے اسلام نے حدود و تعزیرات کی صورت میں سزاوں کا تصور دیا ہے۔

اگرچہ یہ سزائیں بظاہر سخت نظر آتی ہیں لیکن ان کے نتائج اس سے زیادہ پائیدار اور ثمر بار ہیں۔ جن میں معاشرے کے جملہ افراد کے مصالح حیات کا خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن مستشرقین اور مغرب سے متاثر طبقے نے ان سزاوں کو انسانیت سوز، غیر مہذب اور وحشیانہ کہا ہے۔ جبکہ اسلام نے سزاوں کے اجراء میں انتہائی احتیاط برتنے کا حکم دیا ہے اور جرم کے ثابت کرنے کے لئے سخت سے سخت شرائط مقرر کر کے شبہ کی بنیاد پر حد کو ساقط کرنے کا حکم بھی صادر فرمایا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں ''بعض معاصی کے ارتکاب پر شریعت نے حد مقرر کی ہے۔ یہ وہی معاصی ہیں جن کے ارتکاب سے زمین پر فساد پھیلتا ہے۔ نظامِ تمدن میں خلل پیدا ہوتا ہے اور مسلم معاشرے کی طمانیت اور سکونِ قلب رخصت ہو جاتا ہے۔ ان میں بعض جرائم تو اس قسم کے ہیں کہ دو چار بار ان کا ارتکاب کرنے سے ان کی لت پڑ جاتی ہے۔ اور پھر ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی معاصی میں محض آخرت کے عذاب کا خوف دلانا اور نصیحت کرنا کافی نہیں ہوتا بلکہ ان کے لئے ایسی عبرتناک سزا کا مقرر کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کا مرتکب ساری زندگی کے لیے معاشرے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور سوسائٹی کے دیگر افراد کے لیے سامانِ عبرت بنا رہے۔ اور اسکے انجام کو دیکھ کر بہت کم لوگ اس قسم کے جرم کی جرات نہ کریں''[1]

جرم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

لغوی معنی

لفظ جرم لغوی معنی کے اعتبار سے درجہ ذیل معنی میں استعمال ہوتا ہے:

۱۔ توڑنے کے معنی میں

جَرَمَهُ يَجْرِمُهُ ، جَرْماً قَطَعَهُ[2]

۲۔ گناہ کے معنی میں

الْجُرْمُ وَ الْجَرِيمَةُ ، الذَّنْبُ تَقُولُ مِنْهُ: جَرَمَ وَ أَجْرَمَ وَ اجْتَرَمَ[3]

۳۔ کسب کے معنی میں

کسی چیز کو حاصل کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ علامہ ابن منظور فرماتے ہیں:

"جَرَمَ، الجَرَمَ القطع جرم يجرمه جرماً قطعه والجرم التعدى، والجرم الذنب والجمع اجرام وجروم، وهو الجريمة وقد جرم يجرم جرماً واجترم واجرم فهو مجرم وجريم"[4]

محمد مرتضیٰ الزبیدی فرماتے ہیں

"جرمه يجرم جَرَماً قطعه وجَراماً بالفتح وبكسر اى جرمه وجرم فلان جُرماً اذنب كاجرم واجترم فهو جرم و جريم وجرم لاهله كسب"[5]

لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ جرم (بفتح الجيم) کی جمع اجرام اور جروم آتی ہے جبکہ جُرم جِرم (بضم الجيم يا جر)جریمۃ کی جمع جرائم آتی ہے جبکہ فقہاء نے اس کے لیے جنایات کا لفظ استعمال کیا ہے۔

انگریزی لغت میں جرم کی یہ تعریف کی گئی ہے

"A violation of a law in which there is injury to the public or a member of the public and a term in jail or prison,and/or a fine as possible penalties. There is some sentiment for excluding from the "crime" category crimes without victims,such as consensual acts, or violations in which only the perpetrator is hurt or involved such as personal use of illegal drugs."[6]

قران مجید میں جرم جن معنوں میں استعمال ہوا ہے

1۔ لفظ جرم (بضم الجيم) زیادتی اور گناہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ[7]

"اور (مجرموں سے کہا جائے گا) اے مجرمو! تم ان سے الگ ہو جاؤ۔"

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ[8]

"اور اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں"

سورۃ المائدہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ[9]

''اور نہ ابھارے تمہیں (کسی) قوم کی دشمنی۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

''ان اعظم المسلمین جرماً من سال عن شی لم یحرم فحرم من اجل مسالتہ''[10]

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا مسلمانوں میں جرم کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر وہ شخص ہے جو ایک ایسی چیز کے متعلق پوچھے جو حرام نہ ہو لیکن اس کے سوال کی وجہ سے وہ چیز حرام قرار دی جائے۔''

2۔اسی طرح لفظ جرم (بفتح الجیم) قطعی اور یقین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ[11]

''کوئی شک نہیں کہ وہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہیں''

اسلام میں جرم کے ثبوت کے لیے طریقہ کار

جرائم کے ثبوت کے دو طریقے ہیں:

- ✓ اقرار
- ✓ شہادت (گواہی)

اقرار

جرم کے ثبوت کا پہلا طریقہ اقرار ہے یعنی اگر انسان خود اپنے اوپر کسی چیز کے لازم ہونے کا اقرار کرتا ہے تو وہ چیز اس پر لازم ہو جائے گی جس طرح کہ حضرت ماعزا سلمیؓ نے حضور کے پاس آکر زنا کا اقرار کیا تو حضور نے حد جاری کرنے کا حکم دے دیا۔اسی طرح ایک شخص نے آکر نبی کریم ﷺ کے سامنے قتل کا اعتراف کیا تو حضور ﷺ نے اس کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا اور امام مسلم نے یہ حدیث اپنی کتاب صحیح مسلم میں بحوالہ علقمہ بن وائل نقل کی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

''قال انی لقاعد مع النبی ﷺ اذ جآءرجل یقود بنسعۃ فقال یارسول اللہ ﷺ ھذا قتل اخی فقال رسول اللہ اقتلتہ فقال انہ لو لم یعترف اقمت علیہ البینۃ قال نعم قتلتہ''[12]

''علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک شخص دوسرے کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے لایا اور کہنے لگا کہ یارسول اللہ ﷺ اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ حضور نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے قتل کیا ہے؟ اس شخص نے کہا اگر یہ اعتراف نہیں کرتا تو میں اس پر گواہ پیش کر دوں گا اس شخص نے جواب دیا: جی ہاں! میں نے قتل کیا ہے (یعنی اعتراف کیا)''

قاتل نے خود جرم کا اعتراف کیا ہے بوجہ اعتراف اس پر جرم کا ثبوت ہو رہا ہے۔ اقرار سے جرم ثابت ہونے کے حوالے سے مشہور فقہی قاعدہ ہے کہ:

''المرءمواَخذ باقراره''[13]

جس کی مثالیں معاشرے میں بکثرت پائی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بقول علامہ ابن رشدؒ اگر اقرار واضح ہے تو اس کے قبول میں کسی قسم کا توقف نہیں کیا جائے گا، وہ فرماتے ہیں:

''واما الاقرار اذا کان بیناً فلا خلاف فی وجوب الحکم به''[14]

اور اگر اقرار واضح نہ ہو تو پھر اس کے اقرار کی صحیح توجیہہ کی جائے گی۔ (مقر یعنی اقرار کرنے والا) کا جو مقصد ہے وہی لیا جائے گا۔

وہ افراد جن کا اقرار معتبر نہیں

شریعت میں ہر ذی شعور انسان کے اقرار کو تسلیم کیا جائے گا لیکن بعض افراد ایسے بھی ہیں کہ جن کے اقرار کے باوجود شریعت نے ان کے اقرار کا اعتبار نہیں کیا جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1. بچہ: بچہ اگر اپنے پر کسی چیز کا اقرار کرتا ہے تو وہ اقرار نہیں مانا جائے گا۔
2. مجنون: پاگل اپنے اوپر کوئی چیز لازم قرار دے تو وہ لازم نہیں ہو گی۔
3. غلام: غلام کا اقرار بھی فقہاء کے ہاں معتبر نہیں۔
4. سفیہ: بے وقوف کے اقرار سے بھی کوئی چیز لازم نہیں سمجھی جائے گی۔
5. غریب: غریب کے اقرار کا بھی فائدہ نہیں ہو گا۔
6. مریض: مریض کا اقرار بھی فقہاء کے ہاں معتبر نہیں ہو گا۔[15]

شہادت(گواہی)

جرم کے ثبوت کا دوسرا ذریعہ گواہی ہے اور فقہاء نے اس کے لیے کتاب الشہادات یا کتاب الشھادۃ کے عنوان سے ابواب قائم کیے ہیں جبکہ قرآن مجید میں بوقت ضرورت گواہی دینے کو مستحسن قرار دیا ہے۔

لفظ شہادت کی لغوی تحقیق

گواہی کے لیے عربی میں شہادت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مادہ شَہِدَ فَعِلَ کے وزن پر ہے۔یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

1۔گواہی کے معنی میں،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''وَيَكُونَ الرَّسُول عَلَيكُم شهيداً''[16]''اور ہو جائے رسول تم پر گواہ''۔''وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا''[17]''اور(عورت)کے قبیلے میں سے ایک گواہی دینے والے نے گواہی دی۔''

2۔اسی طرح یہ لفظ حاضر کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور جیسا کہ جنازہ کی دُعا میں وشاھدنا کا لفظ حاضر کے معنی میں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:''أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللَّهُ بِهَذَا''[18]''یا کیا تم اس وقت (اللہ تعالیٰ کے پاس) حاضر تھے جب اس نے تمہیں اس کا حکم دیا۔جبکہ اہل لغت نے اس کا اطلاق یقینی خبر پر کیا ہے۔جیسے:

علامہ زبیدی فرماتے ہیں:الشہادۃ خبر قاطع،عربی کا مقولہ ہے شهد الرجل على كذا اور کہا جاتا ہے شهد فلان على فلان بحق،لفظ مشاہدہ بھی اس سے ہے جس کا معنی ہے معائنہ، جیسا کہ کہا جاتا ہے شاهد فلان، اى عاين[19] قاموس المحیط میں بھی یہی معنی ذکر کیا گیا ہے:''الشهادة خبر قاطع۔ وشاهدةهعانيه''[20]لیکن ان دونوں کی بنسبت صاحب معجم الوسیط نے قدر تفصیل سے کام لیا ہے وہ فرماتے ہیں:الشهادةان يخبر بما راىٰ،وان يقر بما علم،ومجموع ما يدرك با الحس،والشهادة البينة (فى القضاء) هي اقوال الشهود امام جهة قضائية''[21]

معجم الوسیط کا بیان کردہ معنی ہماری بحث کے عین مطابق ہے کہ شہادت کسی بھی دعویٰ میں قاضی (جج) کے سامنے متعلقہ مقدمے میں اپنی رائے بیان کرنا، شہادت(گواہی) کہلاتا ہے۔

شہادت کی اصطلاحی تعریف

صاحبِ کنز الدقائق نے گواہی کی تعریف یوں ذکر کی ہے"هي اخبار عن مشاهدة وعيان لا عن تخمين وحسبان "[22]گواہ کے چشم دید واقعات کے بیان کرنے کا نام شہادت ہے جس میں تخمینہ وغیرہ نہ ہو اس لیے کہ جس خبر کی بنیاد ظن پر ہو اس کو گواہی نہیں کہا جائے گا۔

شہادت(گواہی)کا جواز قرآن مجید سے

کسی بھی حق کا مستحق تک پہنچانے کا ایک مستحکم ذریعہ گواہی ہے اسی لیے اللہ رب العزت نے صحیح گواہی ادا کرنے کی ترغیب دی ہے،ارشادِ خداوندی ہے۔

"وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ"[23]

"اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو۔"

"وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ"[24]

"اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ بنالو اور گواہی ٹھیک اللہ ہی کے لیے دیا کرو۔"

اور یہی وجہ ہے کہ گواہی چھپانے کو حرام قرار دیا ہے،چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا[25]

"اور جب گواہوں کو گواہی کے لئے بلایا جائے تو ان کو چاہیے کہ وہ انکار نہ کریں۔"

اور فقہاء کے ہاں بوقت ضرورت گواہی کی ادائیگی فرض علی الکفایہ ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشادِ مبارک ہے:

"لا ضرر ولا ضرار"[26]

"نہ کسی کو نقصان پہنچایا تکلیف پہنچایا جائے گا اور نہ اس کی وجہ سے کسی کو نقصان دیا جائے گا۔"

نبی کریم ﷺ نے بھی گواہی کی ادائیگی کا حکم فرمایا ہے،چنانچہ زید بن خالد الجہنی نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"الا أخبركم بخير الشهداءالذين يأتى بشهادة قبل ان يسئلها"[27]

''کیا میں تمھیں خبر نہ دوں بہترین گواہ کی جو گواہی دیتا ہے، یا اپنی گواہی کی خبر دیتا ہے (راوی کو حدیث کے الفاظ میں شک ہے) اس سے پوچھنے سے پہلے''

یعنی ابھی تک اس سے گواہی سے متعلق پوچھا نہیں گیا ہوتا لیکن پھر بھی وہ گواہی دیتا ہے یہ بہترین گواہ ہے، لیکن جہاں ایک طرف صحیح گواہی کو مستحسن قرار دیا گیا ہے تو دوسری طرف جھوٹی گواہی کی مذمت بھی بیان کی گئی ہے۔ خریم بن فاتک الاَسدی نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''صلى النبى ﷺ الصبح فلما انصرف قام قائماً فقال عدلت شهادةالزوربالشرک بالله ثلاث مرات ثم تلا هذه الاية وَاجتَنِبُوا قَولَالزُّور''[28]

''نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی اور منہ موڑ کر (صحابہ کی طرف) کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ رب العزت کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے اور یہ جملے تین بار فرمائے اور اس کے بعد قرآن مجید کی آیت تلاوت فرمائی کہ جھوٹی گواہی سے بچتے رہو۔''

چونکہ گواہی جرم کے ثبوت یا حقوق کی ادائیگی کا ایک قوی ذریعہ ہے اس لیے فقہاء نے اس کے لیے جو معیار مقرر کیا ہے۔ گواہ کا اس معیار پر پورا اترنا ضروری ہے اگر گواہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو فقہاء ایسے شخص کی گواہی کو معتبر نہیں گردانتے، چنانچہ فقہ اسلامی میں اس کے لیے جو شرائط مقرر کی گئی ہیں وہ تین طرح کی ہیں۔ بعض شرائط ایسی ہیں جو گواہ سے متعلق ہیں اور بعض شرائط کا تعلق گواہی کی ادائیگی سے ہے اور بعض شرائط مقام سے متعلق ہیں یعنی گواہی کہاں ادا کرے گا۔ ذیل میں اس کی تفصیل ذکر کی جارہی ہے۔

گواہ سے متعلق شرائط

گواہ سے متعلق دو قسم کی شرائط ہیں: ۱۔ عمومی شرائط ۲۔ خصوصی شرائط

عمومی شرائط

عمومی شرائط کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ہر گواہ میں پایا جانا ضروری ہے اور یہ درج ذیل ہیں:

1. آزاد ہونا یعنی گواہ اگر غلام ہے تو اس کی گواہی جائز نہیں۔
2. بصارت یعنی اس کی آنکھیں سلامت ہوں، اگر نابینا ہے تو بھی گواہی نہیں دے سکتا۔
3. نطق: یعنی بولنے کی صلاحیت رکھتا ہو چنانچہ گونگے کی گواہی نہیں مانی جائے گی۔
4. عدل: یعنی گناہگار نہ ہو۔

فقہاء نے عدل کے دو معنی لئے ہیں

ا۔اس کے دینی معاملات درست ہوں اور اقوال وافعال میں اعتدال پایا جاتا ہو۔

"وھي استواءاحواله فی دینه واعتدال اقواله وافعاله"[29]

۲۔دوسرا معنی یہ ہے کہ جس کے متعلق کسی قسم کے شکوک وشبہات نہ پائے جاتے ہوں جس کے لیے دو چیزیں لازم قرار دی گئی ہیں:

- ✓ دینی معاملات میں اصلاح (یعنی فرائض کی بروقت ادائیگی)
- ✓ کبیرہ گناہوں سے اجتناب۔

اور یہی دو چیزیں بنیادی اور اہمیت کی حامل ہیں۔علامہ مقدسی فرماتے ہیں:

"وقیل العدل،من لم تظهرفیه ریبة ویعتبر لهاشیئا ن الا صلا ح فی الديناو هواداءالفرائض واجتناب المحارم وهوان لایرتکب کبیرة ولایدین صغیرة"[30]

اوران دونوں معانی کی تائید قرآن مجید سے ہوتی ہے۔پہلے معنی کی تائید سورۃ الحجرات کی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا[31]

"اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔"

اور دوسرے معنی کی تائید سورۃ النجم کی اس آیت کریمہ سے ہو رہی ہے:

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ[32]

"جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں سوائے چھوٹی چھوٹی لغزشوں کے"

اس آیت میں ان لوگوں کی مدح بیان کی گئی ہے جو اپنے آپ کو کبیرہ گناہ سے بچاتے ہیں اگرچہ ان میں صغیرہ گناہ پائے جاتے ہوں لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صغیرہ پر دوام واستمرار نہ رکھتے ہوں اس لیے کہ کوئی بھی ایسا صغیرہ گناہ جس پر دوام ہو تو وہ بھی کبیرہ ہی سمجھا جائے گا اور ایسے اشخاص کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

5. **محدود فی القذف نہ ہو:** کسی پر جھوٹی تہمت کی وجہ سے اسے سزا نہ دی گئی ہو اگر محدود فی القذف ہے تو بھی اس کی گواہی تسلیم نہیں کی جائے گی۔

6. **گواہی کا مقصد ذاتی مفاد نہ ہو:** گواہی کی ادائیگی سے مقصد ذاتی مفاد نہ ہو، اس لیے کہ اگر گواہی ذاتی مفاد کے لیے دے رہا ہو تو ایسے شخص کی گواہی بھی نہیں مانی جائے گی۔

7. **گواہ مد مقابل اور مخاصم نہ ہو:** گواہ جس کے خلاف گواہی دے رہا ہے اس کا خصم اور مد مقابل نہ ہو، اگر خصم اور مد مقابل ہے تو اس کی گواہی کو بھی رد کر دیا جائے گا۔

8. **گواہ کو گواہی یاد رہے:** گواہ جو گواہی دے رہا ہے اسے یاد ہو، یعنی گواہی دیتے وقت اسے جو گواہی دینی ہے اسے یاد ہونی چاہئیے اگر کسی سے سن کر دے رہا ہے تو ایسی گواہی قابلِ قبول نہیں ہو گی۔ یہ تو عمومی شرائط ہیں جن کا ہر گواہ میں پایا جانا ضروری ہے ان میں سے کسی ایک شرط کے موجود نہ ہونے کی صورت میں گواہ کو رد کر دیا جائے گا۔

خصوصی شرائط

خصوصی شرائط کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ان کا پایا جانا ضروری ہو اور کبھی نہیں اور یہ دو ہیں:

ا۔اسلام: اس شرط کی ضرورت اس صورت میں ہو گی جب گواہی مسلمان کے خلاف ہو اگر مسلمان کے خلاف نہ ہو تو گواہ کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے اس لیے کہ کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف جائز نہیں اس کی دلیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَن يَجعَلَ اللهُ لِلكَافِرِينَ عَلَى المُومِنِينَ سَبِيلاً[33]

''اور اللہ تعالیٰ ہر گز ایمان والوں کے مقابلہ میں کافروں کے لیے فتح و نصرت کی کوئی راہ نہ کھولے گا''

۲۔مرد ہونا: اس شرط کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب گواہی حدود اور قصاص سے متعلق ہو کیونکہ حدود و قصاص میں عورت کی گواہی کو نہیں مانا جاتا۔[34]

گواہی دینے کے وقت کی شرائط

وہ شرائط جن کا بوقت شہادت (گواہی) پایا جانا ضروری ہے وہ تین ہیں:

ا۔ گواہی ادا کرتے وقت لفظ شہادت یا اَشۡہَدُ کا لفظ استعمال کرنا۔

۲۔اگر گواہی کسی ایسے مسئلے سے متعلق ہو جہاں شریعت کی طرف سے کوئی عدد مقرر ہو تو اس عدد کا پورا کرنا۔

۳۔اگر گواہوں کی گواہی میں یکسانیت پائی جاتی ہو اور گواہی میں اختلاف ہو تو پھر اس گواہی کو رد کر دیا جائے گا۔

مکان سے متعلق شرائط

مکان سے متعلق شرط ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ گواہی مجلس قضاء یعنی (عدالت میں ادا کی جائے گی)۔

وہ معاملات جن میں گواہی کی ضرورت پیش آتی ہے

جن معاملات میں گواہی کی ضرورت پیش آتی ہے وہ پانچ ہیں:

ا۔زنا: اس جرم کے ثبوت کے لئے جمہور فقہاء کے ہاں چار آزاد مردوں کی گواہی ضروری ہے کیونکہ حدود میں عورتوں کی گواہی کو قبول نہیں کیا جاتا۔البتہ امام احمد بن حنبل اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق اگر زانی اقرار کرے اور دو گواہ بھی ہوں تو بھی جرم ثابت ہو جائے گا اور دوسرے قول کے مطابق یہ دونوں حضرات جمہور فقہاء کے ساتھ ہیں۔ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

وهل يثبت الاقراراحدهمالا يثبت الا باربعة وهو المذهب وعليه الاصحاب لانه وجب لحد الزنا فاشبه فعله والثانية،

يثبت بشاهدين قياساً على سائر الاقارير وللشافعى رحمه الله قولان كاالرواية"[35]

لیکن امام شافعیؒ سے الام میں جو قول نقل کیا گیا ہے اس کے مطابق وہ جمہور کے ساتھ ہیں اور چار گواہوں کی شرط اس لیے ہے کہ ان جیسے حساس مسائل کے افشاء میں رکاوٹ ڈالی جا سکے اور اللہ رب العزت نے بھی چار گواہ لازم قرار دیئے ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ[36]

"وہ کیوں چار گواہ اپنی بات کی تصدیق کے لیے نہ لائے۔"

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً[37]

"اور وہ لوگ جو پاک دامن عوتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو ان کو اسی اسی کوڑے لگاؤ"

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ[38]

"اور تمہاری عورتوں میں جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے آدمیوں میں سے چار کی گواہی لو۔"

۲۔دوسری قسم کے جرائم وہ ہیں جو حدود و قصاص سے متعلق ہوں ان میں بھی دو آزاد مردوں کی گواہی تسلیم کی جائے گی۔

۳۔تیسرے قسم کے معاملات وہ ہیں جو حدود و قصاص اور مال سے متعلقہ نہ ہوں لیکن ان کا تعلق اکثر وبیشتر مردوں کے ساتھ ہوتا ہو مثلاً طلاق، نسب، ولاء، وکالت وغیرہ، ان میں بھی دو گواہوں کی گواہی کو تسلیم کیا جائے گا۔

۴۔وہ معاملات جو مال سے متعلقہ ہوں اور ان کے واسطے سے کسی سے مال حاصل کیا جاتا ہو مثلاً بیع، قرض، رہن، وصیت اور قتل خطاء کی جنایت وغیرہ، ان میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو مانا جائے گا، اور اس طرح ایک گواہ اور مدعی کی قسم کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔

۵۔وہ معاملات جن کا تعلق عورتوں کے ساتھ ہو اور ان پر عموماً عورت ہی مطلع ہو سکتی ہو مثلاً رضاعت، بکارت، کنوارہ پن، ثیبہ (شادی شدہ ہونا)، حیض (ماہواری) وغیرہ، ان جیسے مسائل میں ایک عورت کی گواہی کو بھی کافی سمجھا جائے گا۔

شرعی سزامیں خود ساختہ نرمی سے ممانعت

شریعت نے جو سزائیں مقرر کی ہیں فقط ان کو بیان کرنے کی حد تک ہی اکتفاء نہیں کی بلکہ ان کے عملی نفاذ کے لیے ہر ممکنہ کوشش کو بروئے کار لایا گیا ہے لیکن کبھی شرعی تقاضوں کے مطابق انسان کی کم فہمی اور کم عقلی اور ان کی قرابت داری اسے حقیقی تصور سے ہٹ کر دوسری طرف مائل کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے جس کے نتیجہ میں انسان کسی ایک کا ہو کر رہ جاتا ہے۔اس لیے اسلام نے جہاں سختی کی ضرورت ہے وہاں سختی کا حکم دیا ہے اور جہاں نرمی کی ضرورت ہے وہاں نرمی کا حکم دیا ہے اور انسان کی اسی بشری کمزوری کے پیشِ نظر وحی الٰہی نے انسان کی راہنمائی بھی کر دی، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ[39]

"اور اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں تم میں ہر گز نرمی نہیں ہونی چاہیے"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو سزائیں اللہ رب العزت کی طرف سے مقرر شدہ ہیں ان میں کسی قسم کی نرمی جائز نہیں اس لیے جب قبیلہ بنو مخزوم سے تعلق رکھنے والی عورت نے چوری کی اور نبی کریم ﷺ سے اس کی سزا کی کمی کے متعلق سفارش کی گئی تو آپ ﷺ نے بہت سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔جس کا ذکر حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے جو مسلم شریف میں نقل کی گئی ہے:

أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ، فَقَالُوا: مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالُوا: وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ، حِبُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ؟» ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ، فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّمَا

أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمِ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمِ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا» [40]

''قریش نے قبیلہ مخزومیہ سے تعلق رکھنے والی اس عورت کی قدر و منزلت کو بڑا جانا جس نے چوری کی تھی تو قریش کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اس کی سفارش حضور ﷺ سے کون کرے گا۔ پھر انہوں نے خود ہی کہا: حضرت اسامہؓ جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں کے علاوہ کوئی بھی اس کی جسارت نہیں کر سکتا چنانچہ حضرت اسامہؓ نے اس عورت کی سفارش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزا کے متعلق مجھ سے سفارش کر رہا ہے پھر کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا: کہ اے لوگو! بیشک تم سے پہلی قوموں کو اس چیز نے ہلاک کروایا کہ جب کوئی شرفاء(اشرافیہ) میں سے چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور (باعتبار حسب و نسب کے) چوری کر لیتا تو اس پر حد جاری کی جاتی تھی۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا۔''

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ سزاؤں میں بے جا نرمی یا قانون کو غریب طبقے تک منحصر کر کے ملک کے اشرافیہ کو اس سے مستثنیٰ کر دینا اور جرائم سے متعلقہ سزاؤں میں یکسانیت اختیار نہ کرنا ہی قوموں کی تباہی کا سبب ہے اور اسی لیے اسلام نے جرائم سے متعلقہ سزاؤں کے اجراء میں سختی سے کام لیا ہے۔

خلاصہ بحث

درجہ بالا تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ جرم دو طرح سے ثابت ہوتا ہے۔ ۱۔اقرار۔ ۲۔ گواہی شرائط و قیود کا ایک طویل مرحلہ طے کرنے کے بعد جرم ثابت ہوتا ہے لیکن جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد امن و امان کے بحال رکھنے کے لئے اس میں نرمی سے حد درجہ اجتناب کرنا چاہیے تا کہ مجرم کو سزا کے ذریعے اسکی غلطی پر متنبہ کیا جاسکے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور، سن نامعلوم، ج2ص158۔

[2] الزَّبيدي، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، أبو الفيض (المتوفى: 1205ھ)، تاج العروس من جواهر القاموس، دار الهداية، سن نامعلوم، ج31، ص531

[3] لرازي، زين الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر بن عبد القادر الحنفي (المتوفى: 666ھ)، المكتبة العصرية - الدار النموذجية۔ بیروت، ط5/، 1420ھ/1999م، ج1، ص56۔

[4] ابن منظور، محمد بن مكرم بن على، أبو الفضل، جمال الدين (المتوفى: 711ھ) لسان العرب، دار صادر – بيروت، ط3/، 1414 ھ، مادہ: ج۔ر۔م، ج2، ص90۔

[5] تاج العروس من جواهر القاموس، مادہ ج رم، ج334/8۔

[6] William Collins sons,Collins English Dictionary,Harpercollins Publishers,2012.

[7] القرآن، سورۃ یٰسین: 59۔

[8] نفس مصدر، الاعراف: 40۔

[9] نفس مصدر، المائدہ: 2۔

[10] بخاری، محمد بن اسماعیل أبو عبد اللہ الجعفی، صحیح بخاری، تحقیق: محمد زهير بن ناصر الناصر، دار طوق النجاة، ط: 1، 1422ھ، باب ما يكره كثرة السوال وتكلف ماله يعنيه، رقم الحديث 6859، ج6۔ ملا علی قادریؒ مرقاۃ المفاتیح سے مشکاۃ المصابیح میں اسے متفق علیہ قرار دیا ہے۔

[11] القرآن، سورۃ الھود: 22۔

[12] مسلم، أبو الحسن، بن الحجاج النيسابوری (المتوفى: 261ھ)، صحیح مسلم، تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقی، دار احیاء التراث العربی ۔بیروت، كتاب القسامة، باب صحة الاقرار بالقتل، رقم الحديث 1680، ج3، ص63۔

[13] الزرقاء، الشیخ احمد بن احمد، شرح القواعد الفقھیہ، دار القلم دمشق، ط7/، 2007ء، ص401۔

[14] نفس مصدر

[15] ابی القاسم، محمد بن احمد ابن جزی، القوانین الفقھیہ، دار الحدیث القاہرہ، 2005ء، ص253۔

[16] القرآن، سورۃ البقرۃ: 143۔

[17] نفس مصدر، یوسف: 26۔

[18] نفس مصدر، الانعام، 144۔

[19] لسان العرب، مادہ ش ھ د، 239/3۔

[20] فیروز آبادی، محمد الدین محمد یعقوب، القاموس المحیط، دار الحدیث القاہرہ، 2008ء، ص896۔

[21] المعجم الوسیط، مجمع اللغة العربیہ، مادہ ش ھ د، مکتبہ الشروق الدولیہ، 2008ء، ص896۔

[22] ابی البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی، کنز الدقائق، کتاب الشھادات، مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان، ص287۔

[23] القرآن، البقرۃ:282۔

[24] نفس مصدر، الطلاق:2۔

[25] نفس مصدر، البقرۃ:282۔

[26] ابن ماجة أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني(المتوفى: 273ھ)، سنن ابن ماجه،تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء الكتب العربية – فيصل عيسى البابي الحلبي، ابواب الاحکام، باب من فی حقه ما یضر بجارہ۔ مکتبہ دار الفکر۔ بیروت، ،ج2، رقم الحدیث:2340۔

[27] أبوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن أبی داؤد، دار الکتاب العربی۔ بیروت، کتاب الاقضیہ، باب فی الشهادات، ج5 رقم الحدیث3590۔

[28] سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب شھادۃ الزور، ج2 رقم الحدیث 2372۔ حکم: علامہ البانی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

[29] المقدسی، موفق الدین ابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المقتنع فی افقه الامام احمد بن حنبل، دار الکتب العلمیہ ۔بیروت، 2008، ج391/3۔

[30] نفس مصدر، 392-391

[31] القرآن، سورۃ الحجرات:6۔

[32] نفس مصدر، النجم:23۔

[33] نفس مصدر، النساء:141۔

[34] بن عابدین محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی، رد المحتار علی در المختار، ادار الفکر بیروت، ط2/، 1992ء، ج462/5

[35] المقتنع فی افقه الامام احمد بن حنبل، باب اقسام المشھود بہ، ج409/3۔

[36] القرآن، سورۃ النور:13

[37] نفس مصدر:4

[38] نفس مصدر:15

[39] نفس مصدر:2۔

[40] مسلم، أبو الحسن، بن الحجاج النیسابوری (المتوفی: 261ھ)، صحیح مسلم، **باب قطع السارق الشریف وغیرہ والنہی عن الشفاعة فیه**، حدیث رقم 1688، امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح حسن کہا ہے۔